

خوابِ گل پریشان ہے

احمد فراز



خوابِ گل پرشایں ہے

احمد فراز

KHUAB-E-GUL PARESHAN HAI

(Urdu Poetry)

by

AHMAD FARAZ

Year of Edition 2002

ISBN-81-87666-19-6

Price. Rs. 80/=

1912-2009

خواب گل پریشان ہے

.. احمد فراز

۲۰۰۲ء

۸۰ روپے

.. کاک پرنٹس، دہلی

نام کتاب

مصنف ..

سن اشاعت

قیمت

مطبع ..

Published by:

Kitabi Duniya

1955, Turkman Gate, Delhi-6 (INDIA)

E-mail: kitabiduniya@rediffmail.com

حمید اخوند
کے نام

دیکھو یہ میرے خواب تھے، دیکھو یہ میرے زخم ہیں
میں نے تو سب حسابِ جاں، برسرِ عام رکھ دیا

ترتیب

9	احمد فراز کی شاعری
13	انتساب
16	سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
20	ابھی کچھ اور کرشمے غزل کے دیکھتے ہیں
22	وہ قناد ہیں مرے خدا کہ یہ تو نہیں کوئی اور ہے
24	To let
26	نہ جانے خوف تھا کم یا اناز بادہ تھی
27	سلسلے توڑ گیا وہ سبھی جاتے جاتے
28	اس نے سکوت شب میں بھی اپنا پیام رکھ دیا
30	وہ شام کیا تھی
36	نذرِ جام
38	اک دست شاس نے مجھ سے کہا ترے ہاتھ کی ریکھا ہیں عجب
40	ادھر اک دل، ادھر ماری خدائی

44	بہار آئی تو کیا کیا یاد آئی
48	بھیلی سی ایک شکل تھی
54	آنکھوں میں ستارے تو کئی شام سے اترے
56	ماقیا ایک فکرِ بام سے پہلے پہلے
58	دکھ چھپائے ہوئے ہیں ہم دونوں
60	بہ کوئی دل کی، مستحیلی پہ ہے صحرار کے
62	کسی دل سے باب قبول تک جو مسافریں ہیں دعاؤں کی
64	دناب خیمہ نہ موج بلا سے ڈر کر کھینچ
66	غینم سے
69	اب وہ کہتے ہیں
72	عمرِ جاناں کی گھڑی ابھی لگی
74	ہوئے جاتے ہیں کیوں غنوار قاتل
76	فراق و وصل کیا ہیں، عاشقی کے حیر بے ہیں
78	سئے سفر میں ابھی ایک نقص باقی ہے
79	تجھ پر بھی نہ ہو گمان میرا
81	اک شب تھا وہ مسموم میرا

83	کالی دیوار
87	بچلہ دیش
90	کسی جانب سے بھی پرہم نہ ہو کا نکلا
92	غم رگ و پے میں نہیں جب سے شرارے کی مثال
94	ہونٹ حیردں سے نہ چہرہ سبے سارے کی مثال
96	دوستو یوں بھی نہ رکھو غم و چہانہ کھلے
98	من و تو
107	تجہ سے مل کر تو یہ لگتا ہے کہ اے اچھنی دوست
109	تمام بزم تھی مشتاق حرف بہت دوست
111	فحشہ حشر ہی نہیں، غیب بھی کمال کے رکھ
112	شب نشہ تھی یا صبح پر ملال تھی وہ
114	تو جو چاہے تو نہیں ہوں، تو جو چاہے تو میں ہوں
116	خواہوں کے بیو پاری
121	دکھ فنا نہ نہیں کہ تجہ سے کہیں
123	اس سے پہلے کہ بے وفا ہو جائیں
125	وہ تری طرح کوئی اور تھی

- 131 مہمن میں نغمہ سرائی کے بعد یاد آئے
- 132 یہ دکھ آساں نہ تھے جاناں
- 135 تم کہ سننے رہے اوروں کی زبانی لوگو
- 139 عشق نشہ ہے نہ باد و جوا تر بھی جائے
- 141 تو کس طرح سے یہ احساں مگر اتارے گا
- 142 میں دھوکا ہوں، تو دھوکا ہے
- 146 غینیم سے بھی عداوت میں مد نہیں مانگی
- 148 خود سے رونمویوں تو کئی روز نہ خود سے بولوں
- 149 تجھے کیا ظہیر کہ جاناں
- 153 روز روشن بھی ترالوچ سیہ بھی تیری

احمد فراز کی شاعری۔۔ ایک مختصر تاثر

چند بختے پہلے کا واقعہ ہے کہ احمد فراز، امجد اسلام احمد، سجاد باہر اور میں عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے احرام باندھے کہ مکرمہ پہنچے۔ ہم طواف کعبہ مکمل کر چکے اور سعی کے لیے صفاد مردہ کا رخ کرنے والے تھے کہ ایک خاتون لپک کر آئی اور احمد فراز کو بعد شوق محسوس کیا۔ ”آپ احمد فراز صاحب ہیں نا؟“ فراز نے اثبات میں جواب دیا تو وہ بولی۔ ”ذرا سا رکے گا۔ میرے بابا جان کو آپ سے ملنے کا بے حد اشتیاق ہے۔“ وہ گئی اور نہایت بڑے بزرگ کا بازو تھامے انہیں فراز کے سامنے لے آئی۔ بزرگ اتنے معمر تھے کہ بہت دشواری سے چل رہے تھے مگر ان کا چہرہ عقیدت کے بارے میں ہو رہا تھا اور ان کے ہاتھ کاتب رہے تھے۔ بولے۔ ”سبحان اللہ۔ یہ کتنا بڑا کرم ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس نے اپنے ہی گھر میں مجھے احمد فراز صاحب سے ملوایا۔۔۔“ وہ احمد فراز جو میرے محبوب شاعر ہیں اور جنہوں نے میر و غالب کی روایت کو توانائی بخشی ہے۔ ”عقیدت کے سلسلے میں انہوں نے اور بہت کچھ کہا۔ جب ہم ان سے اجازت لے کر سعی کے لیے بڑھے تو میں نے فراز سے کہا۔ ”آج آپ کی شاعری پر سب سے بڑے الزام کا ثبوت مل گیا ہے۔“ سب نے حیران ہو کر میری طرف دیکھا تو میں نے کہا۔ ”دیکھا نہیں آپ نے۔“ یہ ”نہیں ایجر“ فراز سے کتنی فریفتگی کا اظہار کر رہا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس نہین ایجر کی عمر اسی پچاسی سے متجاوز تھی۔

”فراز نہین ایجر کا شاعر ہے۔۔۔۔“ فراز صرف عثمانی شباب میں داخل ہونے والوں کا شاعر ہے۔۔۔۔“ فراز کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نوجوان طلبہ کا شاعر ہے اور بس۔۔۔۔“ فراز پر یہ الزامات ہر طرف سے وارد ہوتے رہے ہیں مگر وہ اس الزام تراشی سے بے نیاز نہایت خوب صورت شاعری تخلیق کیے جا رہا ہے۔ اگر حسن و جمال اور عشق و محبت کی اعلیٰ درجے کی شاعری گنہیا ہوتی تو میر

خواب گل پریشان ہے

اور نایب اہلک دنیا بھر کے عظیم شاعروں کے ہاں گھنٹہ شاعری کے بہاروں کے سوا در کیا ہوتا۔ فرز کی شاعری میں بیشتر یقیناً حسن و عشق ہی کی کار فرمایاں ہیں اور یہ وہ موضوع ہے جو انسانی زندگی میں سے حارث ہو جانے تو انسانوں کے باطن معراؤں میں بدل جائیں، مگر فرار تو بھرپور زندگی کا شاعر سے وہ انسان کے بنیادی جذبوں کے ساتھ اس آشوب کا بھی شاعر ہے جو پوری انسانی زندگی کو محیط کیے ہوئے ہے۔ اس نے جہاں انسان کی محرومیوں، مشلو مستوں اور شکستوں کو اپنی غزل و نظم کا موضوع بنایا ہے، وہیں نظم و خبر کے عناصر اور تحریر و مشق سنائی پر بھی نوٹ نوٹ کر رہا ہے اور اس سلسلے میں اس کا ایسا یہ شد کہ ہے اور ایسی ایسی نظم لکھی ہے کہ پڑھتے یا سنتے ہوئے اس کے مدامین جھومتے ہیں۔ اس کے معتزمین کے ساتھ کیسے کے کیسے رو جاتے ہیں۔ یہ دونوں پہلو زندگی کی حقیقت کے ہیں اور حقیقت ناقابل تقسیم ہوتی ہے۔

یہ بات کہ سعدی شاعر نے چند دہائیوں سے ہر دو معریز شاعر کے ساتھ ساتھ اپنی نظمیں لکھ کر دنیا کو دیا تھا۔ یہ بات یہ کہ یہ شاعر اگر نہ فرز کا سب ایک شعر بھی کہہ سکتا تو اس میں اس کا نام نہ کرے گا تلف نہ دے، مہل کے نور پر فرار کے صف و شد دیکھتے۔ کر یہ کہ بندگی ہے تو نہ جانے اعلیٰ معیار کی شاعری کے کہتے ہیں:

ذکر اس غیرت مریم کا جب آتا ہے فرار
گھنٹیاں بجتا ہیں نقشوں کے کلیڈوں میں

آج اس نے شرف حسنہ ہی پہننا ہے

اور کچھ ایسے کہ مجھے خواہش منزل نہ رہی

جس صف میں وہ شہسوار کے نوب سے کہوں گا کہ جس میں یہ شعر پڑھتا ہوں تو مجھے ان میں چوری ذرا سی اور اداس کی دس آواز، رایت کو ٹٹی ہوئی سنائی دیتی ہیں۔

اتھارے سے کہہ رہا ہوں کہ وہ ذرا سی کے بھی سچے شاعر تھے۔ پھر فرز کی تعلیم و تربیت سے ان کی زبان میں بیوں، صدائی، صاف و صاف، نظیری اور سب کی ذرا سی شاعری کے پر سچے رہتے تھے۔ کوہٹ، پشاور میں اور وہ شاعر شاعری کا ایک بھر پور، خوش پیدا ہو چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اتھارے

خدا کے فضل پریشان ہے

کی مثال دراصل سلفِ اول کی تمام روشن رویت کے بعد اور سہیتہ مند نے غبارِ کائنات سے اس کا ایک ایک مسہرہ ایسا نکلتے ہوئے ہوتا ہے کہ وہ کسی ایک لفظ کی تبدیلی کی گئی مثل بھی پتی نہیں چھوڑتا۔ اور ہر ایک دور کی مثال تکمیل (PERFECTION) کی تہا ہے اس لیے جب وہ نظر آتا ہے تو اس کی مثال ایک ایک بہت اور سے ملتا ہوتی ہے۔ چنانچہ اہلِ فرازِ مثال اور نظم کا یہ شاعر ہے ہر دور ہر صنف کے چند گئے چنے معتبر ترین شعراء میں شمار ہوتا ہے۔

یہ جو جنسِ بزرگ دور کی کوڑی دست ہیں کہ فرار کے ہاں سن و شب کی زمیوں کے ساتھ ساتھ تیرا
ہر ایک جو بیکار ہے وہ اسے تصورات کا شکار ہوا کرتی ہے تو یہ نصرت کو بھی نہیں دے سکتا۔
مثلاً کی مثال سے گزرے بغیر انتخاب کی لہر مجھ سے محروم رہتی ہے اور وہی شاعر کی مثال
نہیں ہیں جو ساری جمیع کی گہرائیوں کے ساتھ زور سے ہوتے ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ دنیا کا یہ سب سے
بڑا سہ تفسیر سے نہ کوئی اور شاعر میں سے کہہ سکتا ہے کہ وہ خود کو اپنی مثال میں لے کر
۔۔۔ وہ نعرہ زنی نہیں کرتا، صورتِ حال کا تجزیہ کرتا ہے اور پڑھنے سننے والوں کو اپنی سوچ کے
مقام پر پہنچاتا ہے۔ اس کا یہ دعویٰ صدیوں سے درست ہے کہ:

دیکھو تو یہی شعر میری

اک حرف بھی سرِ نگوں نہیں ہے

اس کے یہ نام ہیں "تذات" تو اس کے فک کی توانی ہیں۔ بصورتِ دیگر، اس کی بات
کو ہمیشہ کیسے کر سکتا تھا اور اس طرح کے شعر کیسے کہہ سکتا تھا کہ:

تم اپنی شمعِ تمنا کو رو رہے ہو فراز

ان آندھنیوں میں تو پیروے چراغِ سب کے گئے

وہ کہیں ہیں۔ وقتِ سب سے عمریں دربار ہوتی ہیں۔

جس نے اسے شاعر کہہ دیا۔ کہتے ہیں کہ بیتِ مختصر تاش کے مزے میں کی مثال میں تو اس کی
مخبر پر اس کے لذتِ اندوز ہونا چاہتے ہوں تو اس کی شیفِ سٹش کی پتی شہادت ہے۔ یہ سب
چند اشعار ہیں جو اس وقت یادداشت میں تازہ ہیں:

تری تربت کے لئے پھول جیسے
مگر پھولوں کی عمریں مختصر ہیں

رات کیا سوئے کہ باقی عمر کی نیند اڑ گئی
خواب کیا دیکھا کہ دھڑکا لگ گیا تعبیر کا

ایسا کم ہوں تری یادوں کے بیابانوں میں
دل نہ دھڑکے تو سنائی نہیں دیتا کچھ بھی

بشم ایک ہی شب ہے فراقِ یار، مگر
کوئی گزارنے بیٹھے تو عمر ساری لگے

اب تو ہمیں بھی ترکِ مراسم کا دکہ نہیں
پر دل یہ پہتا ہے کہ آغازِ ٹوٹ کرے

یہ رکی غزل ہے جس پر احمد فراز نے ساہا سال تک فکرانی کیا ہے اور جو اردو شاعری کی
تاریخ میں ایک الگ باب کی متقاضی ہے۔

احمد ندیم قاسمی

انتساب

ہماری چاہتوں کی بزدلی تھی

ورنہ کیا ہوتا

اگر یہ شوق کے مضمہوں

وفا کے عہد نامے

اور دلوں کے مرثیے

اک دوسرے کے نام کر دیتے

زیادہ سے زیادہ

چاہتیں بد نام ہو جاتیں

ہماری دوستی کی داستانیں عام ہو جاتیں

تو کیا ہوتا

یہ بزمِ جو زیست کے ہر عشق میں سچائیاں سوچیں

یہ بزمِ جن کا اٹاٹہ تنگی، تنہائیاں، سوچیں

خواب گل پریشان ہے

یہ تحریریں

ہماری آرزو مندی کی تحریریں

ہم بیوہ سبکی اور خواب بیوہ مندی کی تحریریں

فرق دو وصل و مشرودی و خور مندی کی تحریریں

ہم ان پر منفعل کیوں ہوں

یہ تحریریں

اگر اک دو سرے کے نام ہو جائیں

تو کیا اس سے ہمارے فن کے رسیا

شعر کے مذاج

ہم پر تمہیں دھرتے

ہماری ہمدی پر طنز کرتے

اور یہ باتیں

اور یہ افواہیں

کسی پہلی نگارش میں

ہمیشہ کے لیے مرقوم ہو جائیں

ہماری ہستیاں مذہب موم ہو جائیں

جواب کھل پریشان ہے

نہیں ایسا نہ ہوتا

اور اگر بالفرض ہوتا بھی

تو پھر ہم کیا

سبک سارانِ شہرِ حرف کی چالوں سے ڈرتے ہیں؟

سگانِ کوچہ۔ شہرت کے غوغا

کالے بازاروں کے دالوں سے ڈرتے ہیں؟

ہمارے حرف جذبوں کی طرح

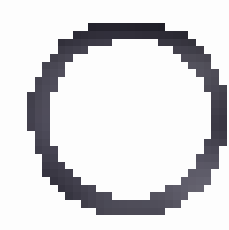
سچے ہیں، پاکیزہ ہیں، زندہ ہیں

بلا سے ہم اگر مصلوب ہو جاتے

یہ سودا کیا بڑا تھا

گر ہماری قبر کے کتبے

تمہارے اور ہمارے نام سے منسوب ہو جاتے!



سنا ہے لوگ اُسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
سو مس کے شہر میں کچھ دن ٹھہر کے دیکھتے ہیں

سنا ہے ربط ہے اس کو خراب حالوں سے
سو اپنے آپ کو برباد کر کے دیکھتے ہیں

سنا ہے درد کی گنگا ہے چشم ناز مس کی
سو ہم بھی اس کی گلی سے گزر کے دیکھتے ہیں

سنا ہے اس کو بھی ہے شعروشاعری سے شغف
سو ہم بھی معجزے اپنے ہنر کے دیکھتے ہیں

خواب گل پریشان ہے

سنا ہے بوسے تو باتوں سے پھول ہنستے ہیں
یہ بات ہے تو چلو بات کر کے دیکھتے ہیں

سنا ہے رات سے چند نکلتا رہتا ہے
ستارے بامِ فلک سے تر کے دیکھتے ہیں

سنا ہے دن کو اسے تتلیں ستاتی ہیں
سنا ہے رات کو بگنو ٹھہر کے دیکھتے ہیں

سنا ہے حشر ہیں اس کی غزل سی - نکسیر
سنا ہے اس کو بہنِ دشتِ بحر کے دیکھتے ہیں

سنا ہے رات سے بڑبڑا کر ہیں کاکلیں اس کی
سنا ہے شام کو سائے گزر کے دیکھتے ہیں

سنا ہے اُس کی سیاہ چٹنگی قیامت ہے
سو اُس کو سرمہ فروش آہِ بحر کے دیکھتے ہیں

سنا ہے اس کے لبوں سے گلاب جلتے ہیں
سو ہم بہر پہ الزم دحر کے دیکھتے ہیں

سنا ہے آئینہ تماشاں ہے جبیں اس کی
جو مادہ دل ہیں اسے بن سنور کے دیکھتے ہیں

سنا ہے جب سے جاتل ہیں اس کی گردن میں
مزاج اور تن سعل و گہر کے دیکھتے ہیں

سنا ہے چشمِ لقصور سے دشتِ امکاں میں
پہنک زاویے اس کی کمرے کے دیکھتے ہیں

سنا ہے اس کے بدن کی تراش ایسی ہے
کہ پتھوں اپنی قبائیں کتر کے دیکھتے ہیں

وہ مسودِ قد ہے مگر بے ٹھلی مرد نہیں
کہ اس شجر پہ خشکوفے ثمر کے دیکھتے ہیں

میں اک نگاہ سے لٹا ہے قافلہ دل کا
سو بہروانِ تما بھی ڈر کے دیکھتے ہیں

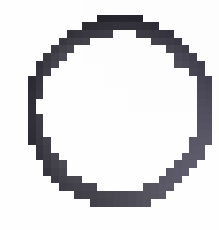
سنا ہے اس کے ثبوتاں سے مشغل ہے بہشت
لکھیں اُدھر کے بھی جلوے اُدھر کے دیکھتے ہیں

رکے تو گردشیں اس کا طواف کرتی ہیں
پتلے تو اس کو نہانے شہر کے دیکھتے ہیں

کے نصیب کہ ہے پیرِ سخن سے دیکھتے
کبھی کبھی دور دور گھر کے دیکھتے ہیں

کہانیاں ہی سہی سب مبالغے ہی سہی
اگر وہ خوب ہے تعبیر کر سہ دیکھتے ہیں

ب س کے شہر میں گھبریں کہ کوٹ کر جائیں
فراز آؤ ستارے سفر کے دیکھتے ہیں



بھی کچھ اور کرشمے غزل کے دیکھتے ہیں
فراز اب ذرہ بچہ بدل کے دیکھتے ہیں

جدا سیاں تو مقدر ہیں پھر بھی جانِ سفر
کچھ اور ڈر ذرا ساتھ پل کے دیکھتے ہیں

رہِ وفا میں حریفِ خرام کوئی تو ہو
سو اپنے آپ سے آگے نکل کے دیکھتے ہیں

تُو سامنے ہے تو پھر کیوں یقین نہیں آتا
یہ بار بار جو آنکھوں کو مل کے دیکھتے ہیں

خواب ٹھل پریشان ہے

یہ کون لوگ ہیں موجود تیری محفل میں
جو لالچوں سے تجھے، مجھ کو جل کے دیکھتے ہیں

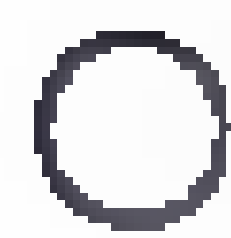
یہ قُرب کیا ہے کہ یکجاں ہوئے نہ دُور رہے
مہر یک ہی قُرب میں ڈھل کے دیکھتے ہیں

نہ تجھ کو مات ہوئی ہے نہ مجھ کو مات ہوئی
سواب کے دونوں ہی یہ میں بدس کے دیکھتے ہیں

یہ کون ہے سہرِ سائل کہ ڈھونڈنے والے
سمندروں کی تہوں سے اچھل کے دیکھتے ہیں

ابھی تھلک تو نہ کندن ہوئے نہ رکھ ہوئے
ہم پتی سگ میں ہر روز جل کے دیکھتے ہیں

بہت دنوں سے نہیں ہے کچھ اس کی خبر
چلو فرز کو اسے یار پل کے دیکھتے ہیں



وہ تناوتیں ہیں مرے خد کہ یہ تو نہیں کوئی اور ہے
کہ تو ہسمان پہ ہو تو ہوا پہ سہرِ زمیں کوئی اور ہے

وہ جو راستے تھے وفد کے نئے یہ جو منزلیں ہیں سہر کی ہیں
مرا ہمسفر کوئی ، رتی مرا ہم نشین کوئی اور ہے

مرے جسم و جاں میں ترے ہوا نہیں اور کوئی بھی دوسرہ
بُنے چتر بھی کتا ہے اس طرح کہ کہیں کہیں کوئی اور ہے

میں میرے غزل کا میں فقیرِ دشت وصال کا
جو بہن کو بندہ کے سے گیا وہ بے گتگیں کوئی اور ہے

خواب ٹھل پریشان ہے

میں عجب مسافرِ بے اماں کہ جہاں جہاں بھی گیا وہاں
مجھے یہ لگا مرا خاکداں یہ زمیں نہیں کوئی اور ہے

رہے بے خبر مرے یار تک، کبھی اس پہ شک، کبھی اُس پہ شک
میرے جی کو جس کی رہی للک، وہ قمرِ جبیں کوئی اور ہے

یہ جو چار دن کے ندیم ہیں انہیں کیا فراز کوئی کہے
وہ محبتیں وہ شکایتیں ہمیں جس سے تحسین کوئی اور ہے

To Let

میں تیرے لُٹیف فراووں کا معترف ہوں مگر
حسین و خندہ جبیں مسیزبان تھی وہ بھی

معاذت تو نہیں پر مماثلت سے بہت
تو آسمان سہی ساہن تھی وہ بھی

تو میرے شام و سحر کا خیل رکھتی ہے
تری طرح ہی بہت مہربان تھی وہ بھی

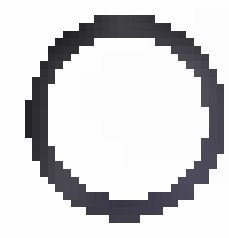
تجھے جی لوک رُئی چاہتوں سے دیکھتے ہیں
نگاہِ دل تمنا کی جان تھی وہ بھی

خواب گھل پریشان ہے

تو ایک حرف و حکایت کے سلسلے کی طرح
طلسم ہو شرابا داستان تھی وہ بھی

تو لے اڑی ہے بجھے جس طرح نشے کی طرح
جو سچ کہوں تو مزے کی اڑان تھی وہ بھی

میں اپنے گھر کی طرح اس میں بس گیا تو کھلا
کراتے کے لیے خالی مکان تھی وہ بھی



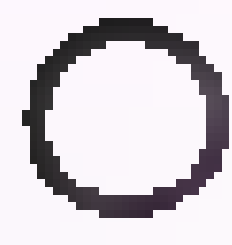
نہ جانے طرف تھا کم یا انا زیادہ تھی
کلاہ سر سے تو قد سے قبا زیادہ تھی

رسیدگی تھی تو پتھر ختم تھا گریز اس پر
سپردگی تھی تو بے انتہا زیادہ تھی

غور اس کا بھی کچھ تھا جڑ تیوں کا سبب
کچھ اپنے سر میں بھی شاہ ہو زیادہ تھی

وفا کی بات انگ پر جسے جسے پیپا
کسی میں حسن کسی میں ادا زیادہ تھی

فرز اس سے وفا مانگتا ہے جاں کے عوض
بوجھ کہیں تو یہ قیمت ذرا زیادہ تھی



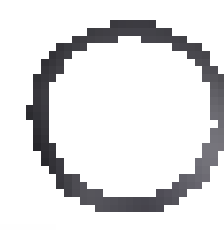
سلسلے توڑ گیا وہ سبھی جاتے جاتے
ورنہ اتنے تو مرام تھے کہ آتے جاتے

شکوہ غلٹِ شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جلاتے

کتنا آسماں تھا ترسے ہجر میں مرنا جانا
پھر بھی اک عمر لگی جان سے جاتے جاتے

جشنِ مستقل ہی نہ برپا ہوا ورنہ ہم بھی
پابجواں ہی سہی ناپتے گاتے جاتے

س کی وہ جانے سے پاؤں وفا تھا کہ نہ تھی
تم فرماؤ اپنی طرف سے تو نبھاتے جاتے



اس نے سکوتِ شب میں بھی اپنا پیام رکھ دیا
ہجر کی رات بام پر ہوا تمام رکھ دیا

تیر دوست کی نوید کوئے ہوا میں گرم تھی
میں نے بھی اک چراغِ سادہ سر شمع رکھ دیا

فدیتِ تشنگی میں بھی غمیرتِ میکش رہی
اس نے جو پھیر لی نثر میں نے بھی جام رکھ دیا

اُس نے نثرِ نثر میں ہی ایسے بھلے سخن کہے
میں نے تو اس کے پاؤں میں سارا کلام رکھ دیا

خواب گل پریشان ہے

دیکھو یہ میرے خواب تھے دیکھو یہ میرے زخم ہیں
میں نے تو سب حسابِ جاں بر سرِ غم رکھ دیا

اب کے بہار نے بھی کہیں ایسی شرارتیں کہ بس
کبکِ درِی کی چال میں تیرا خرام رکھ دیا

جو بھی ملے اسی کا دل حقہ بگوشِ یاد تھی
اس نے تو ہمارے شہر کو کر کے غلام رکھ دیا

اور فرازِ چاشتیں کتنی محبتیں تجھے
ماؤں نے تیرے نام پر بچوں کا نام رکھ دیا

وہ شام کیا تھی

وہ شام کیا تھی جب اس نے بڑی محبت سے
کہا کہ تُو نے یہ سوپا بھی ہے بھی امد

خدا نے کتنی تجھے نعمتیں عطا کی ہیں
وہ بخششیں کہ ہیں بار تر ز شمار و نداد

یہ خال و خد یہ وجہست یہ تندرست بدن
گر حتی گونجتی آواز استوار جسد

بسانِ لہرِ نعرا تپاں تپاں چہرہ
مثالِ نخلِ بہتوں دراز قامت و قد

خواب مکمل پریشان ہے

اگرچہ نام و نسب کا نہیں ہے ٹو قائل
پہ میں قبیلہ۔ سادات سے ترے اب و جد

بجائے خود ہنرِ شاعری ہے اک انعم
پھر اس پہ اور شرف ہے قبولیت کی مند

ترے کلام پہ یہ قوں صادق آتا ہے
کہ شعر خوب ز دل خمزد و بہ دل ریزد

کسبھی غزل سنو تیری تو ایسا گنتا ہے
دردن سنے چوں دل سنے نوازی تالہ

ترا نہالِ سخن بارور ہوا کیا کیا
گہرچہ سایہ کنں تجھ پہ تنے کتنی برگہ

قبولِ غام نے تجھ کو وہ آبرو بخشی
کہ خلق پیار کرے تجھ سے در حریف سر

محببتیں تجھے اتنی ملیں کہ دل میں ترسے
نہ دشمنی نہ عداوت نہ حسد نہ بغض نہ کہ

تو اپنے عمر میں ممتاز ہے جی ہے بہت
پریش کس کا دکر نہ جدا ہے تا بہ اد

کر ہو مثلِ خوبوں تو جانِ مثلِ ٹو
اکر ہو حقدِ رندوں تو آسمانِ مسند

کسی جی ہے رقص کن نغمہ رن سرِ ہزار
کسی جی ہے رندہ دربارِ صفتِ سرور

امیرِ شہر کی نشروں میں مفسد و سرکش
خطیبِ شہر کے خطبوں میں کافر و مرتد

کسی جی وطنِ بدری کے عذابِ جاں لیوا
کسی جی اسیری و درماندگی کی ساعتِ بد

خواب گل پریشان ہے

اگر کریں جو تقابل ترے مصائب کا
زمانہ سخت کم آزار تھا بجانِ ابد

سو یہ بھی ایک ہے اعزازِ اہلِ دل کے لیے
سو یہ بھی دین ہے اس کی بہر کے نہ دہ

نہ تیرے دوش پہ خلعت کوئی کفن کی طرح
نہ تیرے سر پہ ہے دستارِ کبر کا گنبد

سودت ایست کہ ہرگز بزورِ بازو نیست
”کہ تانہ رحمت پروردگار می بختد“

میں بت بنا رہا سنا رہا بیانِ صنم
چوں پیش آتے رو آتے نفس نہ کشد

وہ خود غزل تھی سو جائز مبالغے اس کے
مگر نہ یوں بھی کہ چھولیں غلو و کذب کی حد

وہ ہوتی گئی جذبات کے بہاؤ میں تھی
وہ لہر رہی تھی خرد کو جنوں، جنوں کو خرد

جب اس کی ہوش رہا گفتگو تمام ہوئی
تو اس سے میں نے کہا اسے قرارِ جان و جسد

میں کب رہا ہوں مگر اس کی ذت سے غافل
کہ تہں کی مجھے ٲہ رہیں مہربانیاں بے حد

یہ رنگ و نقش یہ حرف و نوا یہ نصحتِ جاں
یہ شاعری یہ شرف سب اسی کی داد و مدد

یہ فن بہانہ ہے اظہارِ دردِ دل کے لیے
نہ یہ کہ شہرہ و شہرت تھا گوہرِ مقصد

مگر مرے لیے سو بخششوں کی اک بخشش
مری طلب کے بیابان میں تری آمد

خواب گل پریشان ہے

ترے ہی خلعت و گیسو کی دھوپ چھاؤں ہے
کہاں کی صبح بنارس کہاں کی شرم اودھ

تو خود بہر شامل ہے داد خواہ ترے
گلاب و لالہ و نسریں و نستر کے بہ

ترا جمال ترا التفات تیری وفا
مرے دیار تمنا کی آخری سرحد

مرا وجود مرے خواب میری دولت فن
تری ہی تذر ہیں اسے جاں اگر قہوں افتد

کجا ست سنگِ درِ یارِ من کہ دل بہ نیم
بر آستانہ شاہاں فراز پا نہ نہد

(نذرِ جالب)

کب تک درد کے تحفے بانٹو خونِ جگر سوخت کرو
”بابِ سخنِ مہل تک گئی اسے“، حق جان نوں ہی خیرات کرو

کیسے کیسے دشمنِ جاں اب پر سترِ حال کو آئے ہیں
ان کے بڑے احسان ہیں تم پر تمھو نصیحت کرو

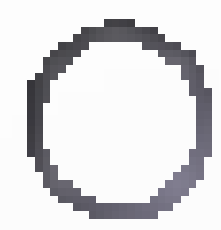
تم تو ازل کے دیوانے اور دیوانوں کا شہیوہ ہے
پنے گھر کو آگ، لگا کر روشن شہر کی رات کرو

اسے بے درد پیر سے تم سے کس نے کہا کہ یہ جنگ کرو
شہزادوں کو شہر دیتے دیتے اپنی بازی مت کرو

خواب گل پریشان ہے

اپنے گریباں کے پرچم میں لوگ تمہیں کفنائیں گے
چاہے تم منصور بنو یا پیروی۔ سادات کرو

فیض گیا اب تم بھی چلے تو کون رہے گا مقتل میں
ایک فراز ہے باقی ساتھی، اس کو بھی پنہ ساتھ کرو



اک دستِ شمس نے مجھ سے کہا ترے ہاتھ کی ریکھائیں ہیں عجیب
تیرے پاؤں ان کی سیڑی ہے ترے گلے میں ملائیں ہیں خوب

ترے پیار کے کتنے قنتے ہیں تری ذات کے کتنے حصّے ہیں
کہیں رم ہے تو کہیں راہ ہے، تری پیت کا چرپائیں ہیں عجب

کتنے نڈیا جیسے بول کے کبھی ساگر جیسا شور کرے
ترا ہمید بحرِ لہجہ نہ کھلے تری ساری کوتاہیں ہیں عجب

کتنی تجھ کو دنیا دار کہیں کتنی لوگ تجھے اوتار کہیں
تر جیون ٹاک جیسا ہے ترے نام کی لہائیں ہیں عجب

خواب گل پریشان ہے

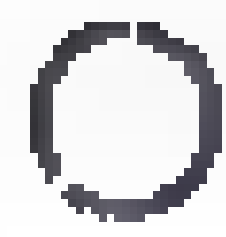
کبھی پریم کارس چمڑکاتے تو کبھی برہاں پیچھے تو
کبھی زبر ہے تو کبھی امرت ہے ترے دھین کی کیٹائیں ہیں غیب

کبھی کوئی تجھ کو جان کہے کوئی دیوی تجھ پر مان مرے
تو کرشن نہ شام مگر پھر بھی تری رسیا رات نہیں ہیں غیب

تو اک ستور چپی ہے اس شش ارے س باک بارے
کیا تصور نہکاں ہو تیرے ترے سن کی دنیا نہیں ہیں غیب

کبھی اوس سے پیاس بجھتے تو کہیں دریا کو گھسرتے تو
تیرا ہنسا پہرہ اور لگے تری آنکھوں کی برکتیں ہیں غیب

تو بنجرہ یا جوکی ہے تو کوئی ہے یا کوئی روکی ہے
تو کیانی ہے یا مور کہ ہے ترے بارے میں سب نہیں ہیں غیب



ادھر اک دل ادھر ساری خدائی
دہائی ہے خداوندا دہائی

فقیہوں کی وہی ہڈیاں نویسی
خطیبوں کی وہی ہرزہ سرئی

کسی کے سر پہ دستارِ ریا ہے
کسی کے تن پہ دلقِ کبریائی

نہ یہ شائستہ۔ وصالِ صنم ہیں
نہ وہ سرگشتہ۔ رسمِ خدائی

خواب مکمل پریشان ہے

ہوتی ہے عام اب صحرا فردشی
بہمت ہے ان دنوں دریا غائی

یہاں اندھے ہیں آئینوں کے گاہک
یہاں گونگوں کو زعمِ خوشنوائی

وفا کیسی کہاں کی دوستداری
جہاں احباب ہوں یوسف کے بھائی

محبت کا صلہ کیا ہے مگر ہاں
ملامت، طعن، تہمت، جگ ہنسائی

خوشی کیا ہے گنتی تو عمر بھر کو
گھڑی بھر کے لیے آتی تو آتی

”ق“

دیا تو کس ڈگر پر چل دیا ہے
یہاں رات کی مسنز نارستانی

سُورہ جب بچی پڑی کارِ جنوں میں
خرد کب ناخن تیرے بانی

وہاں ہے سود ہے منکوحہ شکایت
جہاں وسیع جہاں ہو کچھ دنی

نہیں نوحہ گری تیرے قرینہ
نہیں شہود ترا ماتم سہرتی

خواب نکل پریشان ہے

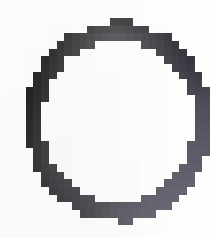
ترا مسلک محبت ہے محبت
بلا سے راس آئی یا نہ آئی

فنا میں اجنبی تاریکیں ہیں
جلا کوئی چراغِ آشنائی

اٹھا ساغر کہ دنیا چار دن ہے
قیامت کی گھڑی آئی کہ آئی

سب محفل کہ تیرا ہمنشین ہے
وہ بہت چاہے جسے ساری خدائی

سنا ایسی غزل کوئی کہ پیارے
نہیں اب تک کسی مترب نے گائی



بہار آئی تو کیا کیا یاد آئی
تری خوش فامتی لالہ قبائی

تصور نے عجب باندھا ہے نقشہ
تخمیر نے گرہ منہ پر لگائی

نہ کوئی سامنے تھا استعارہ
نہ کوئی ذہن میں تشبیب آئی

فردغِ حسن سے خیرہ تھیں آنکھیں
سو ایر زلف نے چلمن گرائی

خواب ٹھل پریشان ہے

ودیعت ہے تری جلوہ گری کی
جو حسرت آئینہ خانوں نے پائی

تری آنکھوں کے آگے کب سے زرخس
کھڑی ہے لے کے کشکولِ حمدائی

نشاطِ وصل سے ہیں تتلیاں مست
دُعا سبزے سے زنگارِ جدائی

کوئی بھنورا اڑا ہے گنگنا
کلی نے آنکھ کھولی مسکرائی

عنادل ٹوٹ کر ہیں زمزمہ خواں
گلابوں کا زیرِ ناکندائی

ہوا پنی نمی سے آپ بوجھل
فتنا رنگوں کی بدش میں نہائی

گلی تھکی رنگ گل سے باغ میں آگ
صبا پاؤں کہیں رکھنے نہ پائی

قصیدہ اک بہارِ ناز کا تھا
سو مثلِ برگِ گل تشبیب آئی

زلیخائے سخن نے مدتوں بعد
قبا کے بند کھولے گنگنائی

غزل میں ہو گیا خونِ جگر صرف
کہاں کی لوح کیسی روشنائی

پر طاؤس کی صورت ہے قرطاس
قلم نے موقلم کی چھب دکھائی

گمیزِ آساں کہاں جب طبعِ شاعر
ہو سرمستِ مئے نغمہ سرائی

ادھر موزوں طبیعت موج پر ہو
ادھر مضمون ہو تیری دلربائی

کب آیا رنگِ الفت آتے پر
جی ہے کب کسی دریا پہ کافی

بہت دن ہو گئے تھے شعرِ نئے
نہ آمد تھی نہ فصلِ بکشا

غمِ دنیا میں سرگردن تھے یہ
نہ دل رویا نہ تیری یاد آئی

جیسے کسویا تو یوں لگتا ہے جیسے
گنوا دی زندگی بہر کی کمانی

ترا حمدِ فراز اب بھی ترا ہے
کجائی اسے نگاہِ من کجائی

بھلی سی ایک شکل تھی

بھلے دنوں کی بات ہے
بھلی سی ایک شکل تھی
نہ تھکے کہ حسنِ تام ہو
نہ دیکھنے میں عام سی

نہ یہ کہ وہ چلے تو کہکشاں سی رہز گئے
مگر وہ ساتھ ہو تو پھر بھلا بھلا سفر گئے

کوئی بھی رت ہو اس کی چھب
فضا کا رنگ روپ تھی
وہ گرمیوں کی چھاؤں تھی
وہ سردیوں کی دھوپ تھی

خواب ٹھل پریشان ہے

نہ مدتوں جدا رہے
نہ ساتھ صبح و شام ہو
نہ رشتہ وفا پہ ضد
نہ یہ کہ اذنِ عام ہو

نہ ایسی خوش لباسیاں
کہ سادگی گلہ کرے
نہ اتنی بے تکلفی
کہ آئینہ حیا کرے

نہ اختلاط میں وہ رم
کہ بد مزہ ہوں خواہشیں
نہ اس قدر سپردگی
کہ زچ کریں نوازشیں

نہ عاشقی جنون کی
 کہ زندگی عذاب ہو
 نہ اسقدر کٹھنور پن
 کہ دوستی خراب ہو

کبھی تو بات بھی خفی
 کبھی سکوت بھی سخن
 کبھی تو کشت زعفران
 کبھی اداسیوں کا ہر



منا ہے ایک عمر ہے
 معاملاتِ دل کی بھی
 وصالِ جانفزا تو کیا
 فراقِ جانگسل کی بھی

سو ایک روز کیا ہوا
وفا پہ بحث چھڑ گئی
میں عشق کو اس کہوں
وہ میری ضد سے چڑ گئی

میں عشق کا اسیر تھا
وہ عشق کو قفس کہے
کہ عمر بھر کے ساتھ کو
وہ بدتر از ہوس کہے

”شجر حجر نہیں کہ ہم
ہمیشہ پا پہ گل رہیں
نہ دھور ہیں کہ رتیاں
گلے میں مستقل رہیں

محبتوں کی دستیں
ہمارے دست و پا میں ہیں
بس ایک در سے نسبتیں
سگانِ باوفا میں ہیں

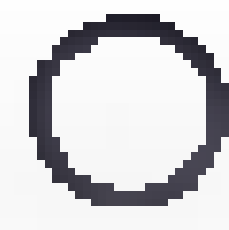
میں کوئی پینچنگ نہیں
کہ اک فریم میں رہوں
وہی جو من کا میت ہو
اسی کے پریم میں رہوں

تمہاری سوچ جو بھی ہو
میں اس مزاج کی نہیں
مجھے وفا سے بے ہر ہے
یہ بات آج کی نہیں

نہ اس کو مجھ پہ مان تھا
نہ مجھ کو اس پہ زعم ہی
جو عہد ہی کوئی نہ ہو
تو کیا غم خشکسگی

سو اپنا اپنا راستہ
بہنی خوشی بدل دیا
وہ اپنی راہ چل پڑی
میں اپنی راہ چل دیا

بھلی سی ایک شکل تھی
بھلی سی اس کی دوستی
اب اس کی یاد رات دن
نہیں، مگر کبھی کبھی



آنکھوں میں ستارے تو کتنی شام سے اترے
پر دل کی اداسی نہ در و بام سے اترے

کچھ رنگ تو ابھرے تری گل پیرہنی کا
کچھ رنگ تو آئینہ ایام سے اترے

ہوتے رہے دل لمحہ بہ لمحہ تہہ و بالا
وہ زینہ بہ زینہ بڑے آرام سے اترے

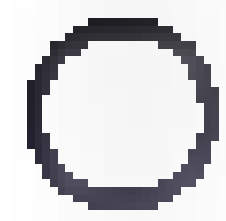
جب تک ترے قدموں میں فروکش ہیں سبوکش
ساقی خطِ بادہ نہ لبِ جام سے اترے

خواب گل پریشان ہے

بے طمع نوازش بھی نہیں سگدلوں کی
شائد وہ مرے گھر بھی کسی کام سے اترے

ادروں کے قصیدے فقط آورد تھے جاناں
جو تجھ پہ کہے شعر وہ الہام سے اترے

اے جانِ فراز اے مرے ہر دکھ کے میسما
ہر زہر زمانے کا ترے نام سے اترے



ساقیا ایک نظر جام سے پہلے پہلے
ہم کو جانا ہے کہیں شام سے پہلے پہلے

نو گرفتارِ وفا، سعی۔ رہائی ہے عبث
ہم بھی الجھے تھے بہت دام سے پہلے پہلے

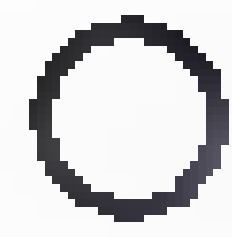
خوش ہو اسے دس کہ محبت تو نبھادی تو نے
لوگ اُجڑ جاتے ہیں انجام سے پہلے پہلے

اب ترے ذکر پہ ہم بات بدل دیتے ہیں
کتنی رغبت تھی ترے نام سے پہلے پہلے

خواب گل پریشان ہے

سامنے عمر پڑی ہے شبِ تنہائی کی
وہ مجھے چھوڑ گیا شام سے پہلے پہلے

کتنا اچھا تھا کہ ہم بھی جیا کرتے تھے فراز
غیر معروف سے، گمنام سے، پہلے پہلے



دکھ چھپاتے ہوئے ہیں ہم دونوں
زخم کھاتے ہوئے ہیں ہم دونوں

ایسا لگتا ہے پھر زمانے کو
یاد آتے ہوئے ہیں ہم دونوں

تُو کبھی چاندنی تھی دھوپ تھا میں
اب تو سائے ہوئے ہیں ہم دونوں

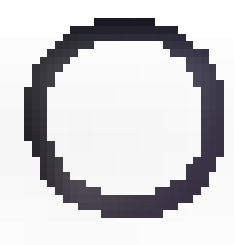
جیسے اک دوسرے کو پا کر بھی
کچھ گنوائے ہوئے ہیں ہم دونوں

خواب گل پریشان ہے

جیسے اک دوسرے سے شرمندہ
سر جھکاتے ہوئے ہیں ہم دونوں

جیسے اک دوسرے کی چاہت کو
اب بھلائے ہوئے ہیں ہم دونوں

عشق کیا کہاں کا عہد فراز
گھر بسائے ہوئے ہیں ہم دونوں



ہر کوئی دل کی ہتھیلی پہ ہے صحرا رکھے
کس کو سیراب کرے وہ کسے پیاسا رکھے

عمر بھر کون نبھاتا ہے تعلق اتنا
اے مری جان کے دشمن تجھ، اللہ رکھے

ہم کو اچھا نہیں لگتا کوئی ہم نام ترا
کوئی تجھ سا ہو تو پھر نام بھی تجھ سا رکھے

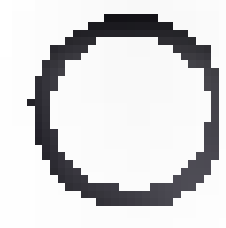
دل بھی پاگل ہے کہ اس شخص سے وابستہ ہے
جو کسی اور کا ہونے دے نہ اپنا رکھے

خوابِ مہل پریشان ہے

کم نہیں طمعِ عبادت بھی تو حرصِ زر سے
فقر تو وہ ہے کہ جو دین نہ دنیا رکھے

بہس نہ اتنا بھی فقیروں کے اکیلے پن پر
جاءِ خدا میری طرح تجھ کو بھی تنہا رکھے

یہ قناعت ہے اطاعت ہے کہ چاہت ہے فراز
ہم تو راضی ہیں وہ جس حال میں جیسا رکھے



کسی دل سے باپ قبول تک جو مسافتمیں ہیں دعاؤں کی
یہ لب و کلام کا عجز ہے کہ رعوتیں ہیں خداؤں کی

کبھی شہر جاؤ تو دیکھنا کسی بیوا کی دکان پر
کتنی شعر میری بیاض کے کتنی لعبتیں مرے گاؤں کی

تجھے دوسروں سے ملا ہے یہ مری جستجو کا صد سے یہ
ترے تخت و تاج سے قیمتی ہے یہ گرد میرے کھڑوڑ کی

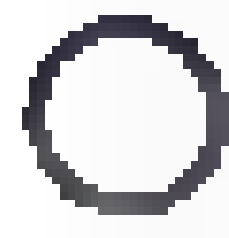
یہ عجیب قریرہ ہے ماں مری جاں حذر کہ یہاں وہاں
جہاں دوستوں کے ہیں ساتبں وہیں ٹولیاں ہیں بلاؤں کی

خواب گل پریشان ہے

۔ مزاجِ ابرِ کرم کا ہے نہ علاجِ بارشِ غم کا ہے
تری دوستی کو میں کیا کروں جو نہ دھوپ کی ہے نہ چھاؤں کی

مرے کجکلاہ کشیدہ سر ٹو حرمِ دل میں خرام کر
یہ دیار ہے تری سلطنت یہ زمین ہے ترے ناؤں کی

ہے سمندروں کے سفر کی دھن تو فرازِ جن کہ ابھی نہیں
یہ جو پال موجِ بلا کی ہے یہ جو نیتیں ہیں ہواؤں کی



طناپِ خیمہ نہ موجِ بلا سے ڈر کر کھینچ
اگر جناب ہے آغوش میں سمندر کھینچ

مرے حریف کھلے دل سے اب شکست بھی مان
نہ ہے کہ فرطِ ندامت سے منہ پہ چادر کھینچ

مبادا گل کسی بسمل پہ رحم آ جائے
کچھ اور روز ابھی تیغِ ناز ہم پر کھینچ

وہ حرف لکھ کہ بیاضِ سخن لہو سے بچے
قلم سے دشمن کی صورت نکیرِ دل پر کھینچ

خوابِ گل پریشان ہے

ہیں منفعل میرے قامت سے تیری دیواریں
حصار تو مرے قد کاٹھ کے برابر کھینچ

نہیں تو اس کے تدفیل کا کیا گلہ کرنا
جو حوصلہ ہے تو دمانِ یار بڑھ کر کھینچ

کہ شاعری مجھی تو جزوِ چیمبری ہے فر:
سو رنجِ خلقِ خدا صورتِ تیمر کھینچ

غنیم سے

مے سے تن کے زخم نہ کن جی
 رتی جھکڑ میں ابھی نور ہے
 مے سے بازوؤں پہ بگڑ کر
 جو غرر تھا وہ غرور ہے

ابھی تازہ دم ہے مرا فرس
 نتے معرکوں پہ تھلا ہوا
 ابھی رزم گاہ کے درمیاں
 ہے مرا نشان کھلا ہوا

تری چشم بد سے رہیں نہاں
وہ تہیں جو ہیں مری ذات کی
مجھے دیکھ قبضہ تیغ پر
بے گرفت بھی مرے ہاتھ کی

وہ جو دشتِ جاں کو چمن کرے
یہ شرف تو میرے لہو کا ہے
مجھے زندگی سے عزیز
یہ جو کھیل تیغ و گلو کا ہے

تجھے مان جوش و شگرز پر
مرا حرفِ حق مری ڈھال ہے
ترا جور و ظلم بلا سی
مرا حوصلہ بھی کمال ہے

میں اسی قبیلے کا فرد ہوں
جسے ناز صدق و یقین پہ ہے
یہی نامہ بر ہے بہار کا
جو گلاب میری جبیں پہ ہے

اب وہ کہتے ہیں

اب وہ کہتے ہیں تم کوئی چارہ کرو
جب کوئی عہد و پیمان سلامت نہیں
اب کسی کینج میں بے اماں شہر کی
کوئی دل کوئی داماں سلامت نہیں

تم نے دیکھا ہے سر سبز پیڑوں پہ اب
سرسے برگ و ثمر خار و خس ہو گئے
اب کہاں خوبصورت پرندوں کی ریت
جو نشیمن تھے اب وہ تنفس ہو گئے

سحرِ گلزارِ خاشاک کا ڈھیر ہے
 سب درختوں کے تن پر قبائیں کہاں
 سرو و شمشاد سے قمریاں اڑ گئیں
 شاخِ زیتون پر فوجائیں کہاں

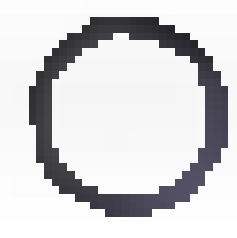
شیخِ منیر پہ نا مستحضر ہو چکا
 رندِ بدنام کو تے خرابات میں
 فاصلہ ہو تو ہو فرق کچھ بھی نہیں
 فتوہ دیں میں اور کفر کی بات میں

سب تو سب رازِ دل بسمو نامہ پر
 کوئے جان کے سب سنا جا چکے
 کوئی زندہ گوئی پئی ہی نہیں
 سب کنبجگ سب پار جا چکے

خوابِ گل پریشان۔

اب کوئی کس طرح ٹم بہ اذنی کہے
اب کہ جب شہر کا شہر سنان ہے
حرفِ عیسیٰ نہ صورِ سراقل ہے
ختر کا دن قیامت کا میدان ہے

مرگ انبوہ بھی جشنِ سماں نہیں
ب کوئی نس گانوں میں جاسے تیرے
کب سے توقیرِ لالہ قبائی گمئی
کوئی اپنے لبو میں نہاتے نو کیا



ہجرِ جاناں کی گھڑی اچھی لگی
اب کے تنہائی بڑی اچھی لگی

قریبِ جوں پر ادا کی طرح
دشمن کی چادر پر اچھی لگی

ایک تنہا فختہ اُڑتی ہوئی
اک برن کی چوکرٹی اچھی لگی

زندگی کی گھپ اندھیری رات میں
یاد کی اک پھلجھڑی اچھی لگی

خواب گل پریشان ہے

شہرِ دل اور اتنے لوگوں کا ہجوم
وہ الگ سب سے کھڑی اچھی لگی

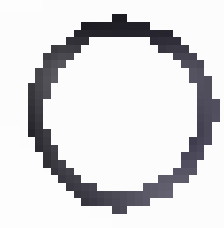
ایک شہزادی مگر دل کی فقیر
اس کو میری جھونپڑی اچھی لگی

دل میں آ بیٹھی غزل سی وہ غزال
یہ تصور کی کھڑی اچھی لگی

تیرا دکھ، اپنی وفا، کاہِ جہاں
جو بھی شے مہنگی پڑی اچھی لگی

آنکھ بھی برسی بہت بادل کے ساتھ
اب کے ساون کی جھڑی اچھی لگی

یہ غزل مجھ کو پسند آتی فراز
یہ غزل اس کو بڑی اچھی لگی



ہوئے جاتے ہیں کیوں غمخوار قاتل
نہ تھے اتنے بھی دل سزار قاتل

میںہاؤں کو جب آواز دی ہے
پلٹ کر آ گئے ہر بار قاتل

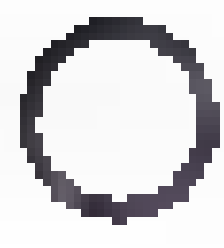
ہمیشہ سے ہلاک اک دہرے کے
مرا سر اور تری تلوار قاتل

ترتی آنکھوں کو جاناں کیا ہوا ہے
کسبھی دیکھے نہ تھے بیمار قاتل

خوابِ نکل پریشان ہے

وہاں کیا دادِ خوابی کیا گواہی
جہاں ہوں منصفوں کے یارِ قاتل

فراز اس دشمنِ جاں سے گلہ کیا
ہمیشہ سے رہے دلدارِ قاتل



فرق و وصل کیا ہیں عاشقی کے تجربے ہیں
مگر اس سے زیادہ زندگی کے تجربے ہیں

وفا کا زیاں بربادی۔ جاں مرگ سماں
جہد سے ہی نہیں ثناء سبکی کے تجربے ہیں

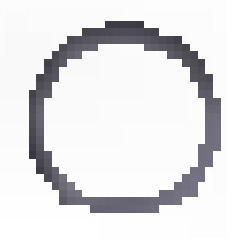
کوئی ست گر سرِ ہمار بیٹھ تینہ زن ہے
یہ ہم کیا ہیں، یہ تم کیا ہو، اسی کے تجربے ہیں

تری ہیروں کی آنکھیں، در ترے پاؤں سے لب
کسی نساں کے چہرے پر کسی کے تجربے ہیں

خواب مکمل پریشان ہے

وہی ہیں شعرِ جاناں جو تری چاہت میں لکھے
کہ باقی جو بھی ہیں سب شاعری کے تجربے ہیں

فراز اس کو کوئی قاتل کہے کوئی سیما
جدا اک دوسرے سے ہر کسی کے تجربے ہیں



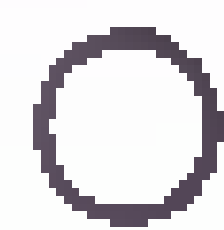
ستے سفر میں اٹھی ایک شخص باقی ہے
جو شخص رہتا نہیں اس کا عکس باقی ہے

اٹھی کے سے گئے دزدان شب چرخِ تیس
مور کور چشم پتنگوں کا رقص باقی ہے

نہ لکھی ہے مگر ڈٹ کر نہیں برسی
تو پئی رہے مگر پتر بھی جس باقی ہے

اٹ پلٹ گئی دنیا وہ زلزلے آئے
مگر خرابہ دل میں وہ شخص باقی ہے

فراز آئے ہو تم اب رفیقِ شب کو یہ
کہ دورِ جام نہ بنگامِ رقص باقی ہے



تجربہ پر بھی نہ ہو گمان میرا
اتنا بھی کہا نہ مان میرا

میں دکھتے ہوئے دلوں کا عینی
اور جسم ابو لبان میرا

کچھ روشنی شہر کو ملی تو
جلتا ہے جلے مکان میرا

یہ ذت یہ کائنات کیا ہے
تو جان مری جہان میرا

تو آیا تو کب پلٹ کے آیا
جب ٹوٹ چکا تھا ہن میرا

جو کچھ بھی ہوا یہی بہت ہے
تجربہ کو بھی رہا ہے دھیان میرا



ک شب تھا وہ مہجمن میرا
کچھ اور ہی تھی جہان میرا

تے سخن میں خوشبوؤں کے خیمے
ہی رشک چمن مکان میرا

وہ شاخِ گلاب اور اس پر
بر پھول تھا تر، تھان میرا

وہ چاند تھا میرے بازوؤں میں
آغوش تھا آسمان میرا

خواب گل پریشان ہے

یاد آتا ہے اب بھی اس کا کہنا
”مسیرا شاعر پٹھان مسیرا“

نہ سے فراز ہو چکا ہوں
پر خوش نہیں تاندان مسیرا

ایک سفید تھیلی جس میں بہت بڑی سرکار
سیر کریں سود کر چھوٹی قوموں کا سیرکار

ہمیں یہ بدوثر میٹھا جب کہیں کی ڈور پڑے
جس کے ہاتھوں میں دیشیا بن جات

اسی تھیلی سے کچھ دور جی ک کالی دیوار
لوگوں کے وہ بھیر لکی تھئی چن تھی دشوار

ک ک ک ک ک ک ک ک ک ک ک ک ک ک ک ک
ان میں سے کچھ ک ک ک ک ک ک ک ک ک ک ک ک

ڈور ڈور سے جمع ہوئے تھے طرح طرح کے لوگ
سنگیوں سنگیوں ویرنی تھی چہروں چہروں سوگ

بیکل بہنیں گھٹا تل ، نہیں کراتی بیویاں
ساجن تم کس دیں سدا سداست پوچھیں مجھ پر نہیں

اپنے پیاروں دلداروں کا اوچھل کھڑا ڈھونڈیں
میں کان دیوار پر ن کے نام کا کھڑا ڈھونڈیں

دوں میں غم چنوں پر شبند ہاتھوں میں چوں تمنا ہے
میں ناموں کے قبرستان کا ہمہ کوئی کیا پاس

نا تربت نا کتبہ کوئی نا پڑی نا ہاں
پھر جی پاگل نہیں کوئی پیہ من کی ہاں

کہیں کہیں دور پہ چمپاں ایک سفید ٹھک
جیسے ناں کا کوئی آنسو جیسے باپ کا خواب

سجھی کے دل میں کانٹا بن کر کھینکے ایک سوال
کس کارن مٹی میں ملائے بیروں جیسے لال

پیسے دیں پہ ہم نے کیا کیا اندھیارے برسات
کس کے بیٹے تاکتے مگر رہنمائی سے آگے

نہیں تھے پند کہہ کر ہم نے بھند کیا پیہ
ہم بہ غصہ سے یہ ہیں وہ دھوپ ملی نا پتہ

کھڑے ہوئے وہ سر جاسم کی یہ کائی دیوار
یہ کھلی دیوار ہے جس سے کس کی نئی دیوار

یہ کھلی دیوار جو ہے ناموں کا قبرستان
واشنگٹن کے شہر میں دفن ہیں کس کس کے زمان

بنگلہ دیش (ڈھاکہ میوزیم دیکھ کر)

کہتی یہ شہر مرا تھا زمین میری تھی
مرے ہی لوگ تھے میرے ہی دست و بازو تھے
میں تک دیر میں بے یار و بے رفیق پتھروں
یہاں کے سارے صنم میرے آشنا رُو تھے

کے خبر تھی کہ عمروں کی ناشتگی کا حال
دل شکستہ و چنم چڑھ گیا تھا
کے خبر تھی کہ اس دہدہ محبت میں
ہمارا ساتھ تھی مون و حباب بیساتھا

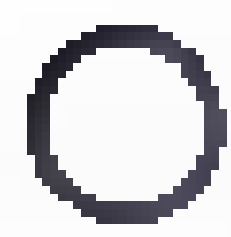
خبر نہیں یہ رقابت تھی نا خداؤں کی
 کہ یہ سیاست درباں کی چل تھی کوئی
 دو نیم ٹوٹ کے ایسی ہوئی زمیں جیسے
 مری کئی تھی خواب و خیال تھی کوئی

یہ میوزیم تو ہے اس روز بد کا مینہ
 جو خشکوں کی آہوں کا حسب رکتا ہے
 کہیں لگا ہوا شہر استخوان تو کہیں
 لہو میں وہاں ہو آفتاب رکتا ہے

کہیں مرے سپہ سالار کی ہتھی گردن
 خدو کے ماتے ہتھیار ڈالتے کہاں
 سے نہ مری بینائی پھینکے مجھ سے
 میں کیسے دیکھ رہا ہوں سیاست یار

خواب گل پریشان ہے

میں سر جھکاتے ہوئے درد کو چھپاتے ہوئے
پٹ کے آیا تو ہر رگہرز اندھیری تھی
میں سوچتا ہوں ابھی تو چراغ روشن تھے
کسبھی یہ شہر مرا تھا زمین میری تھی



کسی جانب سے بھی پرہم نہ لبو کا نکلا
س کے موسم میں نئی نام وہی جو کا نکلا

دستِ قاتل سے کچھ مینے شت تھی لیکن
دوبِ شجر سے بھی کانٹا نہ لگا کا نکلا

عشق بزمِ گاتا تھا جس پر کیا کیا
یہ منافق بھی ترے دس کا بھوکا نکلا

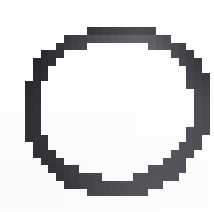
جی نہیں چاہتا میخانے کو جائیں ، جب سے
تیری بھی بزمِ نشیں اہلِ سبو کا نکلا

جواب کل پریشان ہے

دل کو ہم چھوڑ کے دنیا کی طرف آتے تھے
یہ شبستاں بھی اسی غالیہ ٹٹو کا نکلا

ہم عبث سوزن و رشتہ لیے گلیوں میں پھرے
کسی دل میں نہ کوئی کام رفو کا نکلا

یارِ بے فیض سے کیوں ہم کو توقع تھی فرار
جو نہ اپنا نہ ہمار نہ عدو کا نکلا



غم رک دے میں نہیں جب سے شرارے کی مثال
شاعری روئے گئی ہے کسی پیارے کی مثال

جانے کب آئے نظر مصرعہ تر کی صورت
جسے کب سانس چلے سینے میں آسے کی مثال

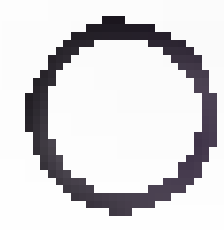
بنانے کب ہاتھ لگے یاد کا موتی کوئی
سنے کب لفظ ہے نام تمہارے کی مثال

بے سبب کیسے طبیعت ہو سخن پر مائل
کوئی ترغیب، تو ہو تیرے اشارے کی مثال

غم دنیا تو وہ قہرِ مہم ہے کہ دل کا مضمون
غرق ہوتا چل جاتا ہے کندہ کی مثال

ہم بھی کیا ہیں کہ وہاں دل کی دوا پوچھتے ہیں
پہرہ گر بھی ہو جہاں درد کے در سے کی مثال

ہم کہیں جانیں جہاں تجھ سے متمکن نہ ملیں
اب تو ہر شہر مجھوا شہر تمہارے کی مثال



ہونٹ ہیروں سے نہ چہرہ ہے سارے کی مثال
پھر بھی ہوسے تو کوئی دوست ہمارے کی مثال

بجہ سے کیا ڈوبنے والوں کا پتہ پوچھتے ہو
میں سمندر کا حوالہ نہ کنارے کا، مثال

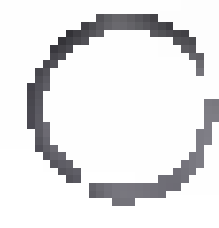
رنگ اوڑھنے سے میٹھی نمی رداے شبِ غم
تیرا غم ناک دیا ہم نے سارے کی مثال

رشتے کو بھی ہوس پیشہ تجارت پر نہیں
اصل ہے شمع، پتوں ہے خسارے کی مثال

خواب گل پریشان ہے

ہم کبھی ٹوٹ کے روئے نہ کبھی کھل کے بنے
رات شبہم کی طرح صبح ستارے کی مثال

ناپسی کی بھی حد ہے جو یہ کہتے ہو فرز
زندگی ہم نے گزاری ہے گزارے کی مثال



دوستو یوں بچی نہ رکھو تم و چہ
چہ اتنی روز ہوسے ہیں بچی سینہ

اک ذرا رنگ پہ آئے تو سہی جوش بہار
ک ذرا ڈھنگ کا موسم ہو تو دیوانہ گئے

روئے دلبر کی طرح ابر سے جھلکے مہتاب
کا کل شب کی طرح گیسوئے جانہ کھلے

نہیں کے تجرب میں کتابوں پہ کتابیں لکے دیں
اس پہ گر حال ہمارا نہیں کہلتا نہ کہتے

خواب کھل پریشان ہے

مہرباں ایسی ہے تنہائی کہ پل بھر کے لیے
چشم بستہ ہو تو یادوں کا پرہیزخانہ کھلے

ہم تو سچ سچ محب کے ہی کردار سمجھ بیٹھے تھے
لوگ آخر کو کہیں صورتِ افسانہ کھسکے

جانے یہ پیار سکھاتے ہیں کہ انکار فرار
ہم پہ بت خانہ و کعبہ و کلیسا نہ کھلے

من و تو

قصیدہ

معاف کر مری مستی خدائے عز و جل
کہ میرے ہاتھ میں ساغر ہے میرے لب پہ غزل

کریم ہے تو مری معززوں کو پیار سے دیکھ
حیم ہے تو سزا و جزا کی حد سے نکل

ہے دوستی تو مجھے اذنِ مسزبانی دے
تُو آسماں سے اتر اور مری زمین پہ نل

میں پہ پہل ہوں کمر چٹمو چکا منارہ عرش
سو تُو بھی دیکھ یہ خاک و خشارہ و جنگل

خواب گل پریشان ہے

بہت عزیز ہے مجھ کو یہ خاکداں میرا
یہ کوسار یہ قلزم یہ دشت یہ دلدل

مرے جہاں میں زمان و مکان و لیل و نہار
ترے جہاں میں ازل ہے ابد نہ آج نہ کل

مرے لبو میں ہے برق تپاں کا جذب و گریز
ترے سبب میں مئے زندگی نہ زیرِ اہل

تری بہشت ہے دشتِ حمود و بحرِ سکوت
میری سرشت ہے آشوبِ ذات سے بیکل

تو اپنے عرش پہ شاداں بے سو خوشی تیری
میں اپنے فرش پہ نازاں ہوں اسے نگارِ زن

مجھے نہ جنتِ کم گشتہ کی بشارت دے
کہ مجھ کو یاد بھی تک ہے ہجرتِ اول

ترے کرم سے یہاں بھی مجھے لیسر ہے
جو زاہدوں کی عبادت میں ڈلتا ہے خلل

وہ میر تپنم ہوں، میرے لئے ہے بے وقعت
جمالِ حور و شرابِ طہور و شیر و عسل

گناہگار تو ہوں پر نہ اسقدر کہ مجھے
نعلیبِ روزِ نکافت کی لگے بوجھل

کہیں کہیں کوئی رد کہیں کہیں کوئی دغ
مری بیاض کی صورت ہے میری فردِ عس

وہ تو کہ عقدہ کشا و مسببِ الاسباب
یہ میں کہ آپ معمر ہوں آپ اپنا ہی حل

میں آپ اپنا ہی پابیل اپنا ہی قبیل
مری ہی ذات ہے مقتول و قاتل و مقتل

خوابِ گل پریشان ہے

برس برس کی طرح تھا نفس نفس میرا
صدی صدی کی طرح کاٹتا رہا پل پل

ترا وجود ہے لاریب اشرف و اعلیٰ
جو سچ کہوں تو نہیں میں بھی رزل و اسفل

یہ واقعہ ہے کہ شاعر وہ دیکھ سکتا ہے
رہے ہو تیرے فرشتوں کی آنکھ سے، و مجمل

وہ پرفشاں ہیں مگر غولِ شہرک کی طرح
سو رائیگاں ہیں کہ جوں چشمنِ کور میں کاہل

مرے لیے تو ہے سو بخششوں کی اک بخش
قلم جو افسر و طبل و علم سے ہے فضل

یہی قلم ہے کہ جس کی ستارہ سازی سے
دلوں میں جوت جگاتی ہے عشق کی مشعل

یہی قلم ہے جو دکھ کی رتوں میں بجٹا ہے
دلوں کو پیار کا مرہم سکون کا صندوق

یہی قلم ہے کہ اعجازِ حرف سے جس کے
تمام عشوہ طرازانِ شہر ہیں پاگل

یہی قلم ہے کہ جس نے مجھے یہ درس دیا
کہ سنگ و خشت کی زد پر رہیں گے شیش محل

یہی قلم ہے کہ جس کی صریر کے آگے
ہیں سرمہ در گلو خونخوار لشکرور کے بگل

یہی قلم ہے کہ جس کے ہنر سے نکلے ہیں
رہ حیات کے خم ہوں کہ زلفِ یار کے بل

یہی قلم ہے کہ جس کی عطا سے مجھ کو ملے
یہ چاہتوں کے شکوے محبتوں کے کنول

خواب گل پریشان ہے

تمام سینہ نگاروں کو یاد میرے سخن
ہر ایک غیرتِ مریم کے لب پہ میری غزل

اسی نے سہل کئے مجھ پہ زندگی کے عذاب
وہ شہیدِ سنگ زنی تھا کہ دورِ تیغِ اہل

اسی نے مجھ کو سبھائی ہے راہِ اہل صفا
اسی نے مجھ سے کہا ہے پلِ صراط پہ چل

اسی نے مجھ کو چٹانوں کے بندھے نئے
وہ کربلائے فنا تھی کہ کارِ گاہِ جدل

اسی نے مجھ سے کہا اسمِ اہلِ صدق امر
اسی نے مجھ سے کہا سچ کا فیصلہ ہے اہل

اسی کے فیض سے آتشکدے ہوئے گلزار
اسی کے لطف سے ہر زشت بن گیا اہل

اسی نے مجھ سے کہا جو ملا بہت کچھ ہے
اسی نے مجھ سے کہا جو نہیں ہے ہاتھ نہ مل

سی نے مجھ کو قناعت کا پوریا بخشا
سی کے ہاتھ سے دستِ درازِ تمع ہے شل

اسی کی آگ سے میرا وجود روشن ہے
اسی کی آب سے میرا ضمیر ہے صیقل

اسی نے مجھ سے کہا بیعت یزید نہ کر
سی نے مجھ سے کہا مسدک حسین پہ چل

اسی نے مجھ سے کہا زہر کا پیالہ اٹھا
اسی نے مجھ سے کہا جو کہا ہے اس سے نہ ٹل

اسی نے مجھ سے کہا عاجزی سے مات نہ کھ
اسی نے مجھ سے کہا منعلوت کی چل نہ چل

اسی نے مجھ سے کہا غمیرت سخن کو نہ بیچ
کہ خونِ دل کے شرف کو نہ اشرفی سے بدل

اسی نے مجھ کو عنایت کیا یہ بیضا
اسی نے مجھ سے کہا سحرِ سامری سے نکل

اسی نے مجھ سے کہا عقلِ تہرہ نشینی ہے
اسی نے مجھ سے کہا ورطہِ خود سے نکل

اسی نے مجھ سے کہا وضعِ عاشقی کو نہ چھوڑ
وہ خواہِ عجز کا لمحہ ہو یا غرور کا پل

اذیتوں میں بھی بخشش مجھے وہ نعمتِ صبر
کہ میرے دل میں گرہ ہے نہ میرے ماتھے پہ بل

ہیں ثبت سینہ بہتاب پر قدم میرے
ہیں منتظر میرے مرغ و مشتری و زحل

تری عطا کے سبب یا مری انا کے سبب
کسی دعا کا ہے موقع نہ التجا کا محل

سو تجھ سا ہے کوئی خالق نہ مجھ کی ہے مخلوق
نہ کوئی تیرا ہے ثانی نہ کوئی میرا بدل

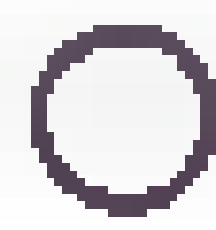
فراز تو بھی جنوں میں کہہ کر گیا ہے نکل
ترا دیار محبت، تری نگار غزل

ق

ٹپک چکا ہے بہت تیری آنکھ سے خونِ باب
برس چکا ہے بہت تیرے درد کا بادل

کچھ اور دیر ابھی حسرتِ وصال میں رہ
پتہ اور دیر ابھی آتشِ فرق میں جس

کسی بہارِ شامل کی بات کر کہ بنے
ہر ایک حرفِ شہوئے ہر ایک لفظِ کنوں



تجھ سے مل کر تو یہ لگتا ہے کہ اسے ، جنہی دوست
ٹو مری پہلی محبت تھی مری آخری دوست

لوگ ہر بات کا افسانہ بنا دیتے ہیں
یہ تو دنیا ہے مری جاں کتنی دشمن کتنی دوست

تیرے قامت سے بھی لپٹی ہے امر بیل کوئی
سیری چاہت کو بھی دنیا کی نشر کی گئی دوست

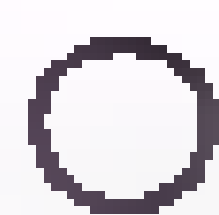
یاد آتی ہے تو پھر ٹوٹ کے یاد آتی ہے
کوئی گزری ہوئی منزل کوئی بھولی ہوئی دوست

اب بھی آئے ہو تو احسان تمہارا لیکن
وہ قیامت جو گزرنی تھی گزر بھی گئی دوست

تیرے لہجے کی تھکن میں ترا دل شامل ہے
ایسا لگتا ہے جدائی کی گھڑی آ گئی دوست

بارشِ سنگ کا موسم ہے مرے شہر میں تو
تو یہ ٹیٹے سا بدن سے کے کہاں گئی دوست

میں اسے عہد شکن کیسے سمجھ لوں جس نے
سخری خط میں لکھا تھا فقط ”آپ کی دوست“



تمام بزمِ تھی مشتاقِ حرفِ بابتِ دوست
سو میں نے اور بڑھا دی ذرا حکایتِ دوست

وفا تو اپنے سے ہوتی ہے دوسرے سے نہیں
سو اس بنا پہ کوئی کیا کرے شکایتِ دوست

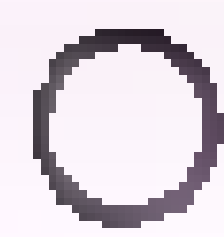
یہ لوگ سرو و صنوبر کا ذکر کرتے ہیں
استعارے نہیں حسبِ قد و قامتِ دوست

وہ بے نیاز بھی ہو گا مگر یہ بات سمجھ
ہر ایک عرض نہیں درخویرِ سماعتِ دوست

ادھر ادھر نہ یونہی زندگی مٹاتے پھر دو
کہ صرف دل ہی نہیں جاں بھی ہے امانتِ دوست

تمام وار کسی ایک مہرباں کے نہیں
کوئی ہے بخششِ دنیا کوئی عنایتِ دوست

تمہی بتاؤ کہ مے کس طرح کرو گے فرزند
یہ عمر بہتر کا سفر اور بے رفاقتِ دوست



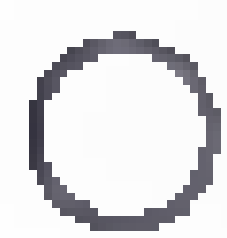
فقط ہنر ہی نہیں عیب بھی کمال کے رکھ
سو دوسروں کے لیے تجربے مثال کے رکھ

نہیں ہے تاب تو پھر عاشقی کی راہ نہ تپ
یہ کارِ زارِ جنوں ہے بنگرِ نکال کے رکھ

سبھی کے ہاتھ دلوں پر نگاہ تجھ پر ہے
قدحِ بدست ہے ساقِ قدم سنبھال کے رکھ

فریب سے نہ مجھے نصید کر وقار سے کر
سو مقدر بھی نہ دانہ قریب جال کے رکھ

فراز بھول بھی جا سانے محبت کے
ہتھیلیوں پہ نہ ان آہوں کو پال کے رکھ



شبِ نشاۃِ تھی یا صبحِ پُر ملاں تھی وہ
تھکن سے چوڑ تھا میں نیند سے بڑھال تھی وہ

میں میں کی ہمسفیری میں بچی دل گرفتہ پہ
کہ ہر قدم پہ جدائی کا احتمال تھی وہ

ادھر ادھر کے بھی کردار آتے جاتے رہے
مرے بچن کا مگر مرکزی خیال تھی وہ

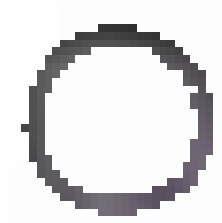
وہ پیرہن تھی مگر جسم و جاں رہی میری
کہ جو بھی جیسا بھی موسم تھا حسبِ حال تھی وہ

خواب گل پریشان ہے

تمام عمر اگر زندگی نے زخم دیئے
تمام عمر کے زخموں کا اندھاں تھی وہ

یہ عمر بھر کا اٹا اسی کے نام تو ہے
اگرچہ میری رفاقت میں چند سال تھی وہ

فراز یاد ہے اب تک سپردگی اس کی
ز فرق تا بقدم خواہشِ وصال تھی وہ



تُو جو چہے تو نہیں ہوں تُو جو چاہے تو میں ہوں
میری وفات ہی کیا ہے پر کا ہے تو میں ہوں

تیرے غم نے مری ہستی کی ضمانت دی تھی
تیرا غم اپنے تعلق کو بنا ہے تو میں ہوں

دل نے کب فیورہ دریوزہ گرمی ترک کیا
تیرے درپر نہ ہوا میں سہرا ہے تو میں ہوں

جانے کیا رنگ دکھاتی ہے بہاراں اب کے
دل دریدہ و پریشان نگاہے تو میں ہوں

خوابِ کل پریشان ہے

تو نہ ہنسنے گا مگر غلویتِ دل میں تیری
یارا اکثر نہ سہی گاہے بگاہے تو میں ہوں

حیف اس فن پہ جو فکر سے پہلے مر جاسے
وقت اگر کل بھی سخن میرے سر سے تو میں ہوں

اور کیا چاہیے اس فقر و فاقہ میں فر
صاحبِ خرقہ وہ پیوند کلاہے تو میں ہوں

خوابوں کے بیوپاری

ہم خوابوں کے بیوپاری تھے
پر اس میں ہوا نقصان بڑا
کچھ بخت میں ڈھیروں کالک تھی
کچھ اب کے غضب کا کال پڑا
ہم راکھ لیے ہیں جھولی میں
اور سر پہ ہے سادکار کھڑا

یاں بوند نہیں ہے ڈیوے میں
وہ باج بیج کی بات کرے
ہم بانجہ زمین کو نکلتے ہیں
وہ ڈھور غنچ کی بات کرے
ہم کچھ دن کی مہلت مانگیں
وہ آج ہی آج کی بات کرے

جب دھرتی صحرا صحرا تھی
ہم دریا دریا روتے تھے
جب ہاتھ کی ریکھائیں چپ تھیں
اور سُر سنگیت میں سوتے تھے
تب ہم نے جیون کھیتی میں
کچھ خواب انوکھے ہوئے تھے

کچھ خواب سحرل مسکانوں کے
کچھ بول کبت دیوانوں کے
کچھ لفظ جنہیں معنی نہ ملے
کچھ گیت شکستہ جانوں کے
کچھ نیر وفا کی شمعوں کے
کچھ پر پاگل پروانوں کے

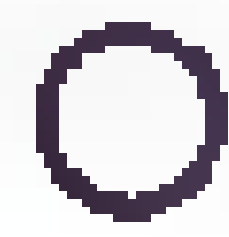
پھر اپنی گھائل آنکھوں سے
خوش ہو کے لہو چھڑکایا تھا
مائی میں ماس کی کھاد بھری
اور نس نس کو زخمایا تھا
اور بھول گئے تہمتی رست میں
کیا کھویا تھا کیا پایا تھا

ہر بار گلن نے دہم دیا
اب کے برکھا جب آئے گی
ہر بیج سے کونیل پھوٹے گی
اور ہر کونیل پھل لائے گی
سر پر چھایا چھتری ہو گی
اور دھوپ گھٹا بن جائے گی

جب فصل کٹی تو کیا دیکھا
کچھ درد کے ٹوٹے گھرے تھے
کچھ زخمی خواب تھے کانٹوں پر
کچھ خاکستر سے گھرے تھے
اور دور افق کے ساگر میں
کچھ ڈولتے ڈوبتے بھرے تھے

اب پاؤں کھڑاؤں و حول بھری
اور جسم پہ جوگ کا چولا ہے
سب سنگی ساتھی بھید بھرے
کوئی مارہ ہے کوئی تولا ہے
اس تاک میں یہ اس گھات میں وہ
ہر اور شخصوں کا ٹولا ہے

اب گھاٹ نہ گھر دہلیز نہ در
اب پاس رہا ہے کیا بابا
بس تن کی گشتگری باقی ہے
جا یہ بھی تو لے جا بابا
ہم بستی چھوڑے جاتے ہیں
تو اپنا قرض چکا بابا



دُکھِ فسادِ نہیں کہ تجھ سے کہیں
دل بھی مانا نہیں کہ تجھ سے کہیں

آج تک اپنی بے کلی کا سبب
خود بھی جانا نہیں کہ تجھ سے کہیں

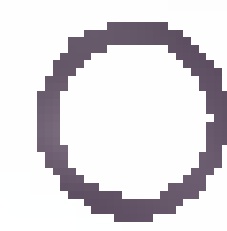
بے طرحِ حالِ دل ہے اور تجھ سے
دوستانہ نہیں کہ تجھ سے کہیں

ایک ٹو حرفِ آشنا تھا مگر
اب زمانہ نہیں کہ تجھ سے کہیں

قاصدا ! ہم فقیر لوگوں کا
اک ٹھکانہ نہیں کہ تجھ سے کہیں

اے خدا دردِ دل ہے بخشِ دوست
آب و دانہ نہیں کہ تجھ سے کہیں

اب تو اپنا بھی اس گلی میں فرا
آنا جانا نہیں کہ تجھ سے کہیں



اے سے پہلے کہ بے وفا ہو جائیں
کیوں نہ اے دوست ہم جدا ہو جائیں

تو بھی ہیرے سے بن گیا پتھر
ہم بھی کل جانے کیا سے کیا ہو جائیں

تو کہ یکتا تھا بے شمار ہوا
ہم بھی ٹوٹیں تو جا بجا ہو جائیں

ہم بھی مجبوریوں کا عذر کریں
پھر کہیں اور بٹلا ہو جائیں

ہم اگر منزلیں نہ بن پائے
منزلوں تک کا رستا ہو جائیں

دیر سے سوچ میں ہیں پروانے
راکھ ہو جائیں یا ہوا ہو جائیں

عشق بھی کھیل ہے نصیبوں کا
خاک ہو جائیں، کیا ہو جائیں

اب کے گر ٹوٹے نو ہم تجھ سے
ایسے لپٹیں تری قبا ہو جائیں

بندگی ہم نے چھوڑ دی ہے فراز
کیا کریں لوگ جب خدا ہو جائیں

وہ تری طرح کوئی تھی

یونہی دوش پر سنبھالے
گھسنی زلف کے دوشالے
وہی سانولی می رنگت
وہی نین نیند والے

وہی من پسند قیمت
وہی خوشنما مسراپا
تو بدن میں نیم خوابی
تو لبو میں بچکا سا

کس جی پیاس کا سمندر
کس جی آس کا جزیرہ
وہی مہربان ابجد
وہی مسیزباں دھیرہ

تجھے شہری سے رنبت
اے شعر ید میرے
وہی اس کے بچی قرینے
جو میں خاص وصف تیرے

کسی اور ہی سفر میں
سہراہ مل گئی تھی
تجھے اور کیا بتاؤں
وہ تری طرح کوئی تھی

خوابِ مملکت پریشان ہے

کسی شہرِ بے لہاں میں
ہیں وطنِ بدرِ اکیلا
کبھی موت کا سفر تھا
کبھی زندگی سے کھیلا

مرا جسمِ جل رہا تھا
وہ گھٹا کا ساتباں تھی
میں رفاقتوں کا مارا
وہ مری مزاجِ داں تھی

مجھے دل سے اس نے پوچھا
اسے جاں سے میں نے چلا
اسی ہمرہی میں آخر
کہیں آگیا دورِ لہا

یہاں گم رہی کے امکاں
اسے رنگ و بو کا لپکا
یہاں لعزثوں کے ساماں
اسے خواہشوں نے تھپکا

یہاں دام تھے مزاروں
یہاں ہر طرف قفس تھے
کہیں زر زمیں کا دلدل
کہیں جال تھے ہوس کے

وہ فتنہ کی فتنہ تھی
وہ ہو کی راج پتری
کسی گھاٹ کو نہ دیکھ
کسی جھیل پر نہ اُتری

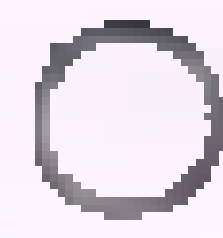
خوابِ مٹل پریشان ہے

پھر اک ایسی شام آئی
کہ وہ شام آخری تھی
کوئی زلزلہ سا آیا
کوئی برق سی گرمی تھی

عجب آندھیاں چلیں پھر
کہ بکھر گئے دل و جاں
نہ کہیں کلِ وفا تھا
نہ چراغِ عہد و پیمان

وہ جہاز اتر گیا تھی
یہ جہاز اتر رہا ہے
تری آنکھ میں ہیں آنسو
مرا دل بکھر رہا ہے

تو جہاں مجھے ملی ہے
وہ یہیں جرا ہوتی تھی
تجھے اور کیا بتاؤں
وہ تری طرح کوئی تھی



پسمن میں نغمہ سرائی کے بعد یاد آئے
قنفس کے دوست رہائی کے بعد یاد آئے

وہ جن کو ہم تیری قربت میں بچوں بیٹھے تھے
وہ لوگ تیری جدائی کے بعد یاد آئے

وہ شعر یوسف کندوں تھے جن کو بچ دیا
ہمیں قلم کی کمائی کے بعد یاد آئے

حرم ناز کے خیرات بانٹنے والے
ہر ایک در کی گدائی کے بعد یاد آئے

ہم اتنے بھی گئے گزرے نہیں تھے جانِ فراز
کہ تجھ کو ساری خدائی کے بعد یاد آئے

یہ دکھ آساں نہ تھے جاناں

برس یادو برس کی قید تنہائی بھی گر ہوتی
تو پھر بھی زندگی لاچار ہو جاتی

محبت بے وفا اور دوستی سیزار ہو جاتی
مگر تم نے تو سارے بخت کے بیمار موسم
بیگلی بیچارگی اور کرب سے

بوسیدہ بستر پر گزارے ہیں

سیرِ بالیں

کسی کے ہاتھ میں پارہ گری کی شمع لگناں

اور نہ آوازوں کے روشن داں

نشاۃ خواب کیا

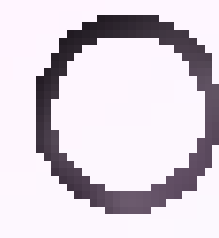
جب دار ہے دروازہ مڑ گاں

یہ دکھ آسماں نہ تھے جاناں
پرانی داستانوں میں تو ہوتا تھا
کہ کوئی شاہزادی یا کوئی نیلم پری
دیووں یا آسیہوں کی قیدی
اپنے آدم زاد دیوانے کی رہتے
شبیرہ سنگ ہو جاتی
مگر وہ داستانیں تھیں
پھران میں بھی تو آخر کار
اس کا باد فاسا و منت شہزادہ
سمندر پار کرتا
وار کرتا
کوہساروں کے جسد مسمار کرتا
ان ظلمساتی حصاروں سے اسے آزاد کر کے
ساتھ لے جاتا

مگر تو داستانوں کا کوئی کردار
یا پارینہ قصوں کا کوئی حصہ نہ تھی

تو نے تو خود آزار کی اپنے تئیں ہی مقرب کی تھی
کتنی دن پھر کتنی دن پھر نئے دن
پھر کتنی راتیں گئی راتیں نئی راتیں
بدن کا دوزخی سیال ایندھن
اور لہو کا آتشیں لاوا

رگوں میں دوڑنے پھرنے کا پھر قاتل نہیں رہتا
تعلق کی چٹانیں ریت بن جاتی ہیں
دلہری کے چشمے خشک ہو جاتے ہیں
ارماں آنسوؤں کا رزق بن جاتے ہیں
اور دل ایک ہی صورت پہ پھر مائل نہیں رہتا
وفاداری بشرط استواری کا چلن
پھر عاشقی کی راہ میں حائل نہیں رہنا
بدل جاتے ہیں خاں و خد
پھل جاتے ہیں جسم و جاں
یہ دکھ آسماں نہیں جاتاں



بہ اندازِ مثنویِ قدیم

تم کہ سینہ رے اوروں کی زبانی لوگو
ہم سناتے ہیں تمہیں اپنی کہانی دو

کون تھا دشمن جاں وہ کوئی اپنا تھا کہ غم
ہاں وہی دشمن جاں دسیرِ جانی لوگو

زلف زنجیر تھی ظلم کی تو شمشیر بدن
روپ سا روپ جوانی سی جوانی لوگو

سامنے اس کے دیکھے زر گسِ شہد بیمار
رو برو اس کے بھرے سرو بھی پانی لوگو

اس کی گفتار میں خندہ تھا شگفتِ گل کا
اس کی رفتار میں چمنے کی روانی لوگو

اس کے ملبوس سے شرمندہ قباۓ لالہ
اس کی خوشبو سے جلے رات کی رانی لوگو

ہم جو پاگل تھے تو بے وجہ نہیں تھے پاگل
ایک دنیا تھی مگر اس کی دوانی لوگو

عشق اور محبت چھپائے نہیں پھپھتے یوں بھی
کب رہا راز کوئی رازِ نہانی لوگو

ایک تو عشق کیا عشق بھی پھر میرا عشق
اس پہ غالب کی سی آشفستہ بیانی لوگو

حیلہ جو ویسے بھی ہوتے ہیں زمانے والے
اس پہ آئی نہ ہمیں بات چھپانی لوگو

داستاں کوئی بھی ہو ذکر کسی شخص کا ہو
ہم نے اس نام سے تمہید اٹھانی لوگو

ہاں وہی نام کہ جس نام سے وابستہ ہے
ہر محبت وہ نئی ہو کہ پرانی لوگو

ہم ہی سادہ تھے کیا اس پہ بھروسہ کیا کیا
ہم ہی ناداں تھے کہ لوگوں کی نہ ہانی لوگو

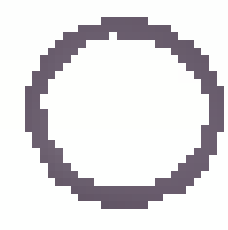
ہم تو اس کے لیے گھربار بھی تھے بیٹھے تھے
اس ستمگر نے مگر قدر نہ جانی لوگو

کس طرح بھول گیا قول و قسم وہ اپنے
کتنی بے صرف گئی یاد دہانی لوگو

جس طرح تتلیاں باغوں سے سفر کر جاتیں
جیسے الفاظ میں سر جاتیں مدنی لوگو

ب غزل کوئی اترتی ہے تو نوسے کی طرح
شاعری ہو گئی اب مرثیہ خوانی لوگو

شمعِ ردیور کی محبت میں نہ ہوا ہے
رہ گیا داغِ فقطہِ دل کی نشانی لوگو



عشقِ نشہ ہے نہ جود جو اثر بھی جاتے
یہ تو اک سیلِ بلا ہے سو گزر بھی جائے

تہنخی۔ کام و دین کب سے عذابِ جاں ہے
اب تو یہ زہرِ رگ و پے میں اثر بھی جائے

اب کے جس دشتِ تمنا میں قدم رکھا ہے
دل تو کیا چیز ہے امکاں ہے کہ سر بھی جائے

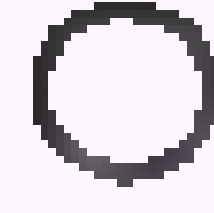
ہم بگولوں کی طرح خاکِ سر پھرتے ہیں
پاؤں مثلِ ہوں تو یہ ہشوبِ سفر بھی جائے

لٹ چکے عشق میں اک بار تو پھر عشق کرو
کس کو معلوم کہ تقدیر سنور بھی جائے

شہرِ جاں سے پرے بھی کتنی دنیا میں ہیں
ہے کوئی ایسا مسافر جو ادھر بھی جائے

اس قدر قرب کے بعد ایسے جدا ہو جانا
کوئی کم حوصلہ انساں ہو تو مر بھی جائے

ایک مدت سے مقدر ہے غریب الوطنی
کوئی پردیس میں ناخوش ہو تو گھر بھی جائے



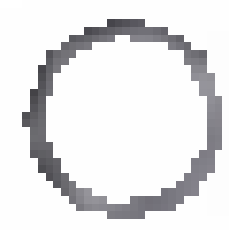
تو کس طرح سے یہ احساں مگر اُتارے گا
عطا کرے گا جو دستار، سر اُتارے گا

نہ مانگ ایک بھی لمحہ خوشی کا دنیا سے
یہ قرض وہ ہے جسے عمر بھر اُتارے گا

یہ عمر بھر کی تھکن یک دن تو اترے گی
کوئی تو دوش سے بارِ مشر اُتارے گا

یہ لگ رہا ہے ستاروں کی چل سے کہ نمک
کوئی عذاب مری خاک پر اُتارے گا

چمن کو زبر سے سینچا ہے بانجھاں نے فرز
اہل گرفتہ ہی کوئی ثمر اُتارے گا



میں دھوکا ہوں تو دھوکا ہے
ترک و طلب ہر دو دھوکا ہے

تیری ہر مسکان فریبی
میرا ہر آنسو دھوکا ہے

سارے گل بوٹے مصنوعی
رنگ ، نمو ، خوشبو دھوکا ہے

کون ہے یکتا کون یگانہ
مدحِ رخ و گیسو دھوکا ہے

خوابِ گل پریشان ہے

لافِ محبت ہرزہ سرائی
دلبرِ غالیہ سو دھوکا ہے

چاکِ جگر اک شعبہ بازی
اُس پر کارِ رفو دھوکا ہے

مکر ہے عشق کا دیوانہ پن
حسن کا سب جادو دھوکا ہے

نالہ قمری وہمِ سماعت
سرودِ کنارِ جو دھوکا ہے

رنگِ پر طاؤسِ غامش
سحرِ رمِ آہو دھوکا ہے

عکس فقط نیرنگ نظر کا
ہر بُت آتہ رُو دھوکا ہے

نشہ کہاں ہے زخم کا مرہم
ساقی و جام و سب دھوکا ہے

کاوشِ لوح و قلم افسانہ
قصہ تیغ و گلو دھوکا ہے

کس نے خون کے آنسو روئے
دامن ہو ہو دھوکا ہے

مستوں کی مستی دکھلاوا
صوفی کی یا ہو دھوکا ہے

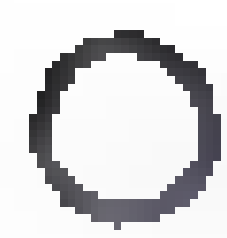
خوابِ مُکمل پریشان ہے

مسجد میں بٹ مار ہے ملا
مندر میں بھکٹو دھوکا ہے

کذب و ریا کی ڈھلی باجے
چملا جھوٹ، گرو دھوکا ہے

جو پاگل تھے سو پاگل ہیں
حکمت کا داڑو دھوکا ہے

اُتر دکن پورب پچھم
اس جگ میں ہر نو دھوکا ہے



غینم سے بھی عداوت میں حد نہیں مانگی
کہ ہار مان لی لیکن مدد نہیں مانگی

ہزار فکر کہ ہم اہلِ حرفِ زندہ نے
مجاورانِ ادب سے سدا نہیں مانگی

بہت ہے لمحہ موجود کا شرف بھی مجھے
سو اپنے فن سے بھائے ابد نہیں مانگی

قبول وہ جسے کرتا ہوا ہوا نہیں کی
دعا جو وہ نہ کرے مسترد نہیں مانگی

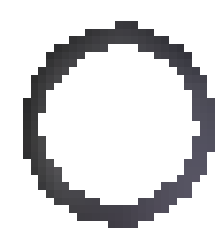
خوابِ گل پریشان ہے

میں اپنے جامہء صد چاک سے بہت خوش ہوں
بہی عبا و قبائے خرد نہیں مانگی

”شہیدِ جسم سلامت اٹھاتے جاتے ہیں“
بہی تو گور کنوں سے لحد نہیں مانگی

میں سر برہنہ رہا پھر بھی سر کشیدہ رہا
بہی کلاہ سے توقیرِ قد نہیں مانگی

عطائے درد میں وہ بھی نہیں تھا دل کا غریب
فراز میں نے بھی بخشش میں حد نہیں مانگی



خود سے روٹھوں تو کتنی روز نہ خود سے بولوں
پھر کسی درد کی دیوار سے لگ کر رولوں

تو سمندر ہے تو پھر اپنی سخاوت بھی دکھا
کیا ضروری ہے کہ میں پیاس کا دامن کھولوں

میں کہ اک صبر کا صحرا نظر آتا ہوں تجھے
تو جو چاہے تو ترے واسطے دریا رولوں

اور معیارِ رفاقت کے ہیں ایسا بھی نہیں
جو محبت سے ملے ساتھ اکی کے ہولوں

خود کو عمروں سے مقفل کئے بیٹھا ہوں فرز
وہ بھی آئے تو خلوت کدہ جاں کھولوں

تجھے کیا خبر کہ جاناں

تُو نہ تھی کوئی سرائے
کہ میں رات بھر ٹھہر کے
سفر اختیار کرتا
میں نہ تھا کوئی مسافر
کہ جو گھر نگر کو تج کر
کہیں اور پیار کرتا

انہی بستیوں میں درد
کتنی دل کتنی نگاہیں
کوئی نیند کا ہو رسیا
تو ہزار خوابگاہیں

کہیں کاکلوں کے بادل
کہیں قامتوں کی چھاؤں
کہیں شہرِ آرزو کے
کہیں حسرتوں کے گاؤں

کہیں غلوتیں دکائیں
کہیں جسمِ بیوپاری
نہ کسی صنم کو شکوہ
نہ دکھی کوئی پجاری

یہ عجب قمار خانے
یہاں ہار بھی کھاتی
نہ کسی کا ہن ٹوٹا
نہ کسی نے چوٹ کھائی

کوئی بے مائل قصہ
کوئی داستاں ادھوری
یہ سپردگی جدائی
تو وہ احتلاط دوری

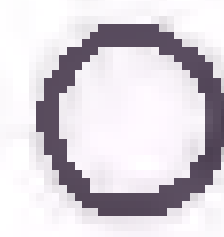
یہاں شوق بھی تماشا
یہاں عشق بھی ملامت
نہ تو وصل خوبصورت
نہ فراق ہی قیامت

یہ ضرورتوں کے میلے
یہ قیام کے بہانے
یہ تھکن اتارنے کے
سبھی عارضی ٹھکانے

خواب گھر پریشان ہے

یہ ہمارے عہد و پیمان
تجھے کیا خبر کہ جاناں
یہ دنوں کی بات کب تھی
یہ رفاقتوں کی صدیاں

یہ جو درد ہے امر ہے
کہ وفا ہے حرفِ آخر
تو نہ تھی کوئی سرائے
نہ میں ہوں کوئی مسافر



روزِ روشن بھی ترا لوحِ سیدھی تیری
پھر تو یارب مری رو دِ گنہ بھی تیری

ابرو باراں پہ نہ کر ناز کہ اے دستِ کریم
کشتِ بے دانہ و بے آب و گیہ بھی تیری

امتحانِ دل کا نہیں طبل و علم کا ہے تو پھر
جا یہ لشکر بھی ترا تنغ و زرہ بھی تیری

وہ ہمسی ہیں کہ تجھے تیروکماں تھے تھے
اور اب دھوڑتے پھرتے ہیں پنہ بھی تیری

واعظا منبر و مسند پہ نہ اترنا
یہ بتا کیا کسی دل میں ہے جگہ بھی تیری

کیا کریں حرمِ محبت میں بھی در آتی ہے
ورنہ کافی تھی کبھی ایک نگہ بھی تیری

کیا اسی بھول کو کہتے ہیں محبت کا زوال
اب مجھے یاد نہیں سالگرہ بھی تیری

یونہی دو دن کی ملاقات پہ اترنا نہ فرما
ہے کہیں یار کی محفل میں جگہ بھی تیری



فراز اپنے وطن کے مظلوموں کے ساتھی ہیں، مائیں کی طرح تڑپتے ہیں مگر روتے نہیں بلکہ ان زنجیروں کو توڑتے، ٹکڑے بکھیرتے نظر آتے ہیں جو ان کے معاشرے کے جسم کو جکڑے ہوئے ہیں۔ ان کا شعر نہ صرف یہ کہ اعلیٰ ادبی معیار کا ہے بلکہ ایک شعلہ ہے جو دل سے زبان تک لپکتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ آئے فیض اور ن۔ م راشد کے بعد مگر اساتذہ سخن میں شمار ہوتے ہیں۔ ایک اچھا شاعر اپنے بعد آنے والوں کو راہ دکھاتا اور متاثر کرتا ہے۔ فراز کا شمار اب ان میں ہے۔